احمد معاویہ

نقیب خلوص و اسیر وفا

ملتان جامعہ خیر المدارس میں داخلہ حاصل کرنے کی قلبی خواہش دو وجوہ کی بنا پر تھی۔ پہلی وجہ تو یہ کہ جامعہ خیر المدارس ملک بھر کے تعلیمی و دینی مدارس عربیہ میں اپنے نظم و نسق اور تعلیمی ماحول کے اعتبار سے مثالی شہرت کا حامل ہے۔ بانی جامعہ، حضرت مولانا خیر محمد نوراللہ مرقدہ کی محنت اور دعاؤں کا ثمر ہے کہ اب بھی وہاں کے اساتذہ اور طلباء میں اخلاص و للّٰہیت، دینی و تعلیمی شغف، تعلق مع اللہ، راستبازی اور تعلیم و تربیت کی طرف خصوصی توجہ بطور خاص پائی جاتی ہے۔

ملتان جانے کی دوسری اور بڑی وجہ یہ بھی کہ وہ سید الاحرار حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مدفن اور ان کے خانوادہ کا مسکن ہے۔ قائد احرار جانشین امیر شریعت حضرت سید ابو معاویہ ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی وہیں قیام رکھتے ہیں .... حضرت سید ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا خاندانی پس منظر، ان کی علمی و تحریکی شخصیت، تحریک دفاع مقام و منصب صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں ان کا قائدانہ کردار، تاریخ اسلام خصوصاً سیرت و سوانح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیرت صحابہ پر ان کا گہرا مطالعہ و نگاہ، اس بات پر مجبور کرتا کہ اب ملتان میں ہی بسیرا کیا جائے۔ اس طرح حضرت سید ابوذر بخاری کی مجلسوں میں بیٹھنے اور انہیں قریب سے سننے کا بھرپور موقع مل جائیگا۔ ان کی مجلس میں بیٹھ کر علم و دانش کے موتی چننے کا موقع ملے گا۔ دل و دماغ میں تاریخ اسلام کے متعلق الجھی تاروں کو سلجھانے کا موقع ملے گا۔ چنانچہ اسی خیال کے تحت جامعہ خیر المدارس میں داخلہ لیا اور جمعہ کے جمعہ حضرت شاہ جی کے پاس حاضری کا موقع ملنے لگا۔

شاہ جی کے خطبات و بیانات سننے والے اور ان کی مجلس علم و عرفان سے حظ اٹھانے والے ملک کے طول و عرض میں ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں، ان کی تقاریر و خطبات سن کر یوں لگتا جیسے.......... تفسیر و حدیث، تاریخ و انساب، سیرت و سوانح اور مغازی کی کتب بیک وقت ان کے سامنے کھلی موجود ہیں اور شاہ جی پوری روانی کے ساتھ صفحات کے صفحات پڑھ رہے ہیں اور ورق الٹے جا رہے ہیں۔ بات سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے، کوئی واقعہ بیان ہو رہا ہے تو اس واقعہ کا محل وقوع، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وقت ہیئت کا ذکر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت موجود جانثار صحابہ کی تعداد، ان صحابہ کے قبول اسلام، خاندان، اور پیشہ کا تذکرہ، اور اسی طرح کی دیگر جزئیات کا بیان ....سامع جب خطاب سماعت کر کے اٹھتا تو قلب و دماغ ان نئی معلومات پر مسرت زا ہوتے اور حیران و ششدر بھی، معلوم ہوتا کہ آدمی اپنی زندگی کا معتد بہ حصہ ایک بڑی لائبریری میں گزار آیا ہے۔

راقم جن دنوں تعلیم کی غرض سے ملتان گیا ان دنوں حضرت شاہ جی خطبات و تقاریر کا سلسلہ موقوف کر چکے تھے۔ کچھ ہی عرصہ قبل تانگے کے حادثہ کا شکار ہوئے۔ جس سے کولہے کی ہڈی شدید متاثر ہوئی۔ اس

سے سنبھلے تو احمد پور شرقیہ کے تبلیغی سفر سے واپسی پر کار کے حادثے کا شکار ہوگئے اور یوں رہی سہی کسر بھی نکل گئی۔ کہیں آنا جانا بالکل موقوف ہوگیا۔ اب گھر پر ہی زیادہ ملاقاتیں ہوتیں۔ راقم التزام کے ساتھ ہر جمعہ کی صبح شاہ جی کے پاس حاضری دیتا۔ تقریباً گیارہ بجے تک شاہ جی کی مجلس میں بیٹھ کر ابن امیر شریعت حضرت سید عطاء المحسن بخاری کے ہاں جمعہ پڑھنے دار بنی ہاشم چلا جاتا۔ رفتہ رفتہ شناسائی مضبوط تعلق اختیار کر گئی۔ کچھ ہی عرصہ بعد شاہ جی نے فرمایا کہ بھئی! آنا تو ہوتا ہی ہے۔ جمعہ کی صبح ناشتہ یہیں آ کے کر لیا کرو۔ چنانچہ شاہ جی کی نظر کرم سے ہر جمعہ علی الصبح حاضری ہونے لگی سات آٹھ بجے شاہ جی بیٹھک میں تشریف لے آتے اسی دوران بعید و قریب کے احباب بھی شاہ جی کے پاس حاضری دینے کیلئے پہنچنے لگتے۔ مجلس گرم ہوتی مختلف احباب قسم قسم کے سوالات کرتے اور شاہ جی ان کے بالتفصیل جوابات ارشاد فرماتے جاتے۔ راقم نے کچھ عرصہ تک التزام کیا کہ شاہ جی کے ملفوظات کو لکھ لیا کروں چنانچہ جب واپسی ہوتی تو قیام گاہ پہنچ کر اپنے حافظے کی بنیاد پر ملفوظات کو لکھ لیتا۔

چونکہ راقم جامعہ خیر المدارس میں زیر تعلیم تھا اس لئے اکثر شاہ جی اسباق کے متعلق پوچھتے کہ ان دنوں کونسی کتابیں پڑھ رہے ہو۔ چونکہ شاہ جی بھی اسی مکتبِ علمی کے فیض یافتہ تھے اس لئے اپنی مادر علمی کا تذکرہ فرماتے۔ ایک مرتبہ فرمانے لگے آپ کے شیخ الحدیث مولانا محمد صدیق صاحب میرے ہم درس ہیں بانی جامعہ خیر المدارس حضرت مولانا خیر محمد رحمتہ اللہ علیہ میرے نہایت ہی شفیق استاد تھے۔ مجھ سے بہت محبت فرماتے .... فرمایا کہ خیر المدارس میں میرے داخلے کا عجیب قصہ ہے۔ "اباجی" ایک مرتبہ دیو بند، سہارنپور کے دورہ کے موقع پر مجھے بھی ہمراہ لے گئے۔ خیال تھا کہ اس طرح میں چل پھر کر مدارس دیکھ لوں گا اور جہاں کا ماحول مجھے پسند آئے گا داخل کرا دیا جاؤں گا۔ جبکہ اباجی کا اپنا خیال یہ تھا کہ میں دارالعلوم دیو بند میں داخلہ لوں۔ میں اباجان کے ہمراہ تمام مدارس میں گیا۔ مگر کہیں بھی دل نہیں مانا۔ دا[redacted] دیو بند اتنا بڑا علمی مرکز کہ جہاں کے اساتذہ خیر القرون کی یاد تازہ کرتے، عام طالب علم کیلئے دارالعلوم دیو بند میں داخلہ حاصل کرنا ایک سعادت تھا۔ مگر میرا دل نہیں مانا۔ پھرتا پھراتا جب اباجی کے ہمراہ جالندھر جامعہ خیر المدارس میں آیا تو میں نے اباجی سے کہا کہ میں تو یہیں داخلہ لوں گا۔ یہاں حضرت مولانا خیر محمد رحمتہ اللہ علیہ تھے اباجان نے ان کے سپرد کر دیا اور داخلہ کیلئے فرمایا۔ مولانا فرمانے لگے "حضرت شاہ جی! ہم میاں بیوی نے تو آپ کا بیٹا اللہ سے مانگ کر لیا ہے۔ یہ کہیں اور جا ہی نہیں سکتا تھا"۔

دارالعلوم دیو بند کے سفر کے سلسلہ میں فرمایا کہ دیو بند میں حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمتہ اللہ علیہ سے میری پہلی اور آخری ملاقات ہوئی۔ اس ملاقات کو جب بھی یاد کرتا ہوں تو پورا نقشہ سامنے آ جاتا ہے۔ وہیں ایک مکان میں مولانا عبید اللہ سندھی، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا مفتی محمد کفایت اللہ اباجان اور میں کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے اچانک مولانا عبید اللہ سندھی نے گرج دار آواز میں فرمایا "حسین احمد! (اس دوران حضرت مدنی نے والد صاحب کی طرف اشارہ کیا جسے میں نہ سمجھ سکا مولانا سندھی پھر گرج دار آواز میں بولے "حسین احمد! میں ان مولویوں کو بم سے اڑا دوں گا"! اس پر اہل مجلس زیر لب مسکرائے، حضرت مدنی فرماتے

لگے "حضرت، ان مولویوں کا یہی علاج ہے"۔ بعد میں ہم نے [illegible] کر وہیں کھانا کھایا یہ حضرت سندھی سے میری پہلی اور آخری ملاقات تھی۔ پھر تعلیم کے سلسلہ میں مدرسہ خیر المدارس داخل ہو گیا اور آئندہ ملاقات کی حسرت ہی رہی۔ تا آنکہ مولانا سندھی کا انتقال ہو گیا۔

شاہ جی، مولانا خیر محمد رحمہ اللہ کی شفقتوں کا ذکر فرمار ہے تھے۔ فرمایا کہ مو[illegible] بہت ہی شفقت، محبت سے پیش آتے۔ مجھے انہوں نے بڑی محنت اور محبت سے پڑھایا۔ (اس پر شاہ جی زار و قطار رونے لگے۔ ذرا سنبھلے تو فرمایا کہ کئی دفعہ تو ایسا ہوا کہ مولانا خود گھر سے کھانا لا کر مجھے کھلاتے۔ قیام پاکستان کے بعد جب والد ماجد، والدہ محترمہ اور بھائیوں کے ہمراہ خان گڑھ قیام پذ[illegible] التزام کے ساتھ مولانا کے گھر سے میرے لئے کھانا آتا رہا۔ مولانا کی خواہش تھی کہ میں تدریس اختیار کروں چنانچہ فراغت کے بعد ایک ڈیڑھ سال تک خیر المدارس میں پڑھایا بھی، مگر میرا دل چاہتا [illegible] کام بھی کروں اور ڈرتا بھی تھا کہ مبادا مولانا تدریس چھوڑنے پر ناراض ہو جائیں۔ اسی کشمکش میں پڑھانا چھوڑ دیا۔ مولانا خیر محمد کی وفات کے بعد ایک مرتبہ خیر المدارس جانا ہوا تو اس وقت مولانا کے فرزند گرامی مولانا محمد شریف جو جامعہ کے مہتمم تھے۔ وہ فرمانے لگے کہ شاہ جی! ابا جی تو آپ سے بہت محبت فرماتے تھے۔ جب آپ نے یہاں سے پڑھانا چھوڑا تو کہنے لگے، شاہ تو چلا ہی گیا میرا ارادہ تھا کہ اسے نائب مہتمم بناؤں گا اور میرے بعد وہ اہتمام سنبھال لے گا۔

حضرت سید ابوذر بخاری رحمہ اللہ کے مرشد گرامی حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری رحمہ اللہ تھے...... اسی طرح ایک مرتبہ مجلس میں حاضر تھا کہ شیخ کا تذکرہ چھڑ گیا...... فرمایا ایک مرتبہ میں نے ابا جی سے پوچھا کہ آپ حضرت مدنی رحمہ اللہ کے اس قدر معتقد تھے۔ مگر بیعت حضرت رائپوری سے ہوئے۔ فرمانے لگے بیٹا! کیا بتاؤں؟ حضرت مدنی میں جلال بہت تھا اور مجھے ماں کی محبت و شفقت درکار تھی اور یہ چیز حضرت رائپوری میں تھی۔ اس لئے کہ حضرت مدنی میں باپ کا جلال جھلکتا تھا اور حضرت رائپوری میں ماں کی شفقت تھی۔ میں نے ماں کی شفقت کو ترجیح دی اور حضرت رائپوری سے بیعت ہو گیا۔ یہ اور بات کہ ابا جی حضرت مدنی کی تعریف بھی بہت کرتے۔ یہ محض زبانی اعتراف عظمت نہ تھا بلکہ حقیقتاً ابا جی حضرت مدنی کا بہت احترام کرتے۔

مرشد گرامی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ کبیر والا کے علاقہ میں مولوی محمد شفیع بڑے نڈر مولوی گزرے ہیں۔ باطل کے خلاف ڈٹ جائیں تو کوئی مائی کا لال انہیں پیچھے نہیں ہٹا سکتا تھا۔ ابا جی سے بیعت تھے مگر والد صاحب نے حضرت رائپوری کے سپرد کر رکھا تھا کہ انہیں آپ ہی سنبھالیں۔

حضرت رائپوری نے بہت کہا کہ اسے آپ سنبھالیں مگر ابا جی نے کہا کہ یہ بڑی بلا ہے میں اسے نہیں سنبھال سکتا۔ چنانچہ حضرت رائپوری نے ان کو اپنے دامن میں لے لیا...... یہ حضرت نعت بہت اچھی پڑھتے تھے۔ حضرت رائپوری انہیں نعت سنانے کا کہتے اور وہ نعت سناتے۔ ایک مرتبہ میں بھی حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر تھا، اپنی قیام گاہ پر بیٹھا ہوا تھا، تنہائی تھی، میں نے فارسی نعت کا کوئی شعر ذرا ترنم میں بلند آواز سے پڑھا مولوی محمد شفیع صاحب نے سن لیا اور حضرت کو جا کر بتا دیا کہ شاہ بھی نعت کہہ لیتا ہے۔

حضرت نے حیرت سے کہا اچھا؟ بلاؤ اسے، چنانچہ بلایا گیا۔ میں سمجھ گیا کہ شکایت پہنچ گئی ہے، حاضر ہوا...... فرمایا ہمیں بھی نعت سناؤ، میں نے عرض کیا حضرت مجھے تو نعت گوئی نہیں آتی، حضرت نے اصرار فرمایا، دو تین اور علما نے بھی کہا کہ حضرت اتنی مرتبہ کہہ چکے ہیں، کیوں نہیں سنا دیتے؟ میں نے ان سے کہا آپ حضرات چپ رہیں ...... خود حضرت کے سامنے ہاتھ باندھ کر بیٹھ گیا کہ مجھے معاف فرما دیں - بڑی مشکل سے خلاصی ہوئی۔

والد گرامی حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں نے ابا جان سے پوچھا آپ کی زندگی میں سب سے طویل تقریر کہاں اور کونسی ہوئی تو کہنے لگے ایک مرتبہ میرٹھ میں تقریر تھی، عشاء کے بعد شروع ہوا اور صبح اذانوں تک میں نے تقریر کی۔ نماز فجر کے بعد پھر شروع ہو گیا اس دوران یوں ہوا کہ بارش شروع ہو گئی۔ لوگ جانے لگے تو میں نے انہیں کہا لوگو! کہاں جاتے ہو؟ مجھے یہاں بلا کے خود بھاگتے ہو؟ بس اسی پر لوگ واپس پلٹ کے آنے لگے۔ بارش اتنی زبردست ہوتی کہ لوگوں نے اپنے بچوں کو اوپر اٹھایا ہوا تھا اور پانی ان کی گودوں سے بہہ رہا تھا۔ اس پر میں نے دن کے آٹھ بجے تقریر ختم کی۔ جو زندگی کی طویل اور مسلسل تقریر تھی۔ ابا جان نے بتایا کہ دہلی میں کچھ دیندار لوگوں نے "انجمن سیف الاسلام" کے نام سے ایک انجمن بنائی ہوئی تھی اس کے زیر اہتمام دینی و اصلاحی جلسے ہوتے تھے۔ وہ مجھے بھی بلاتے ویسے بھی دہلی میرا دوسرا گھر تھا۔ ہفتہ ہفتہ میرا قیام دہلی میں ہوتا۔ رات کو وہاں میری تقریر ہوتی...... لوگوں کی یہ حالت تھی کہ رات کا کھانا گھر سے کھا کر چلتے اور صبح کا کھانا ساتھ لے کر آتے۔ گھروں کے اندر بوڑھے لوگوں کو چھوڑ جاتے۔ راستے میں اگر کوئی پوچھتا بھائی کہاں جا رہے ہو؟ تو جواب دیتے "شاہ جی" آئے ہوئے ہیں ان کی تقریر سننے جا رہے ہیں۔ اکثر یوں ہی ہوتا کہ عشاء کے بعد تقریر شروع ہوتی اور صبح فجر تک جاری رہتی۔

حضرت امیر شریعت رحمہ اللہ کے تذکرہ کے سلسلہ میں ہی فرمایا کہ ایک مرتبہ امرتسر میں ہم سب گھر کے افراد صبح کے ناشتے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ میں باہر سے اخبار دیکھ کے آیا۔ اخبار میں خبر تھی کہ انگریز، شاہ ہمدان (سندھ) کے دو بیٹوں (پیر پگاڑا اور ان کے بھائی) کو زبردستی پکڑ کر تعلیم کیلئے انگلستان لے گئے ہیں۔ اس پر اباجی نے فرمایا بیٹا! میری بات لکھ لو یہ جب واپس آئیں گے تو اپنے اعمال سے مسلمان نہیں رہیں گے اور ان کے ہاتھوں میں تیر و تلوار کی بجائے کتے پکڑے ہوں گے۔ چنانچہ تقسیم ھند کے بعد جب ہم یہاں آ گئے (ملتان) تو ایک دن امروز میں پیر پگاڑا اور اس کے بھائی کے واپس آنے کی خبر چھپی - ساتھ ایک تصویر بھی چھپی ہوئی تھی جس میں دونوں بھائیوں نے دو کتوں کی رسیاں اپنے ہاتھوں میں پکڑ رکھی تھیں - میں بھاگ کر اخبار اباجی کے پاس لے گیا اور یہ خبر اور تصویر اباجی کو دکھائی اور کہا کہ آپ کی پیشین گوئی پوری ہو گئی وہی کچھ ہوا جو آپ نے فرمایا تھا۔

ایک روز مجلس میں حاضر تھا۔ حضرت علامہ انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ کا ذکر چل پڑا...... حضرت سید بوذر بخاری رحمہ اللہ فرمانے لگے میں نے علامہ انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ کو خواب میں دیکھا کہ مسجد میں دوزانو

بیٹھے ہوئے ہیں اور ذکر اللہ کر رہے ہیں۔ آہستہ آہستہ حرکت بھی کر رہے ہیں۔ سر پر ریشمی پگڑی باندھی ہوئی تھی۔ چہرہ بہت پر نور اور جلال والا معلوم ہو رہا تھا۔ اس کی بھی خاص وجہ تھی کہ ایک تو اباجی کا تعلق بہت تھا اور پھر انہیں حضرت انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ نے امیر شریعت کا لقب عطا فرمایا تھا اور اتنی بھاری ذمہ داری سونپی تھی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں میں نے اباجی سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ لاہور میں انجمن خدام الدین کے سالانہ اجتماع میں مجھے امیر شریعت کا لقب دیا اور اس وقت تمام علماء کو فرمایا کہ ان کی بیعت کی جائے۔ مگر ایک مولانا (نام ذہن میں نہیں رہا۔ اس لئے تحریر نہ سکا۔ احمد) نے دوران اجلاس کھڑے ہو کر کہا کہ حق تو یہ ہے پہلے آپ بیعت فرمائیں چنانچہ مولانا انور شاہ کاشمیری اپنی جگہ سے اٹھے اور اپنے ہاتھ آگے کر دیئے۔ اس پر میں نے حیرت سے پوچھا اباجی! اس کے بعد کیا ہوا؟..... پھر آپ نے حضرت شاہ صاحب کو بیعت کر لیا؟ تو کہنے لگے حافظ جی! میں کوئی بیوقوف تو نہ تھا جو ان کے مقام کو نہ سمجھتا۔ میں نے جلدی سے اپنے ہاتھ حضرت شاہ صاحب کے ہاتھوں میں دیدیئے۔ اب حالت یہ تھی کہ ہم دونوں زار و قطار رو رہے تھے۔

اباجی اکثر میرے لئے دعا کرتے ہوئے فرمایا کرتے اللہ تمہیں انور شاہ کی گدی پر بٹھائے، کسی نے کہا شاہ جی آپ بھی عجیب دعا فرماتے ہیں اباجی کہنے لگے میں نے علما سے سنا ہے کہ اللہ سے جب بھی کچھ مانگو تو بڑی سے بڑی شے مانگو۔ میں نے اپنی زندگی میں کروڑوں انسانوں سے خطاب کیا ہزاروں سے تعلق ہوا۔ آدمیوں کو میں نے چھانا اور کھنگالا ہے میری آنکھوں نے اور میرے دل و دماغ نے صدیوں کی تاریخ چھاننے کے بعد فیصلہ کیا ہے کہ اس دھرتی پر انور شاہ کا ثانی کوئی نہیں...... میری دانست میں یہ بہت بڑی نعمت ہے میں خدا جیسے سخی اور کریم آقا سے مانگوں اور وہ بھی کوئی چھوٹی سی چیز۔

فرمایا ایک مرتبہ دیوبند گیا حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ کے مزارات پر گیا۔ حضرت علامہ انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ کی قبر بھی وہیں ہے ان کی قبر سے جا کر لپٹ گیا۔ باپ کی دعائیں یاد کرتا تھا۔ اب تک یاد ہے کہ چار گھنٹے وہاں پاگلوں کی طرح بیٹھا رہا تھا۔ اٹھنے کو جی ہی نہیں چاہ رہا تھا۔ اباجی پوچھنے لگے کیا تھا وہاں؟ میں نے کہا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شاہ صاحب فرما رہے ہیں بیٹا! آج یہیں بیٹھے رہو"۔

حلقۂ احرار میں حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کی اہلیہ محترمہ اور حضرت سید ابو معاویہ ابوذر بخاری رحمہ اللہ کی والدہ ماجدہ "ام الاحرار" کے نام سے یاد کی جاتی تھیں ان کا وجود مسعود صرف خانوادۂ امیر شریعت کیلئے ہی باعث برکت نہ تھا بلکہ تمام حلقۂ احرار ان کے فیوض و برکات کا متمنی تھا۔ جون ۱۹۹۱ء میں ان کا انتقال ہوا۔ اماں جی کی وفات کے ایک دو روز بعد کی بات ہے عصر کے بعد راقم شاہ جی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگ تعزیت کیلئے آ رہے تھے۔ علماء طلباء مشائخ، تاجر، وکلاء اور سیاستدان آ جا رہے تھے اس روز کچھ علماء کرام بھی آئے ہوئے تھے۔ مولانا سعید الرحمن علوی مرحوم و مغفور بھی شاہ جی کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اس دوران جماعت اسلامی ملتان کے سرکردہ رہنما ملک وزیر غازی، مرکزی رہنما محمد اسلم سلیمی، ایک دو اور اصحابِ جماعت تعزیت کے لئے آئے ہوئے تھے۔

ملک وزیر غازی صاحب حضرت مخدومہ اماں جی رحمہ اللہ علیہا کی وفات پر اخبارات کی بے حسی کا ذکر کرنے لگے کہ بہت مختصر سی خبر لگائی - شاہ جی رحمہ اللہ گویا ہوئے بھائی! یہاں تو یہ معاملہ ہے کہ کوئی اداکارہ مرے، کوئی فاحشہ، زانیہ، مرے تو اخبارات کے صفحات اس کیلئے وقف ہوجاتے ہیں وہ تو عابدہ زاھدہ خاتون تھیں۔ان کے انتقال کی خبر کیسے نمایاں شائع ہو؟ انہی دنوں جماعت اسلامی کے یہ رہنما ایران یاترا سے واپس لوٹے تھے۔ واپسی پر ایرانی انقلاب کے حق میں ان کے بیانات بھی شائع ہوئے۔ حضرت ابوذر بخاری نے اس موقع کو غنیمت جانا اور ان حضرات کی توجہ رافضیت کی طرف مبذول کرائی۔ حضرت شاہ جی نے کہا کہ خمینی نے نام نہاد اسلامی انقلاب کی آڑمیں سنیوں پر وہ مظالم ڈھائے ہیں کہ انسانیت شرما جائے - ایران میں سنیوں کو وہ حقوق بھی حاصل نہیں جو پاکستان میں شیعوں کو حاصل ہیں - خمینی نے اپنی کتابوں میں نعوذ باللہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی، اصحاب رسول اور امہات المؤمنین سے متعلق ایسے جملے ہیں کہ آدمی کپکپا اٹھتا ہے - سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے متعلق خمینی نے جابجا بکواس کی ہے۔ شاہ جی رحمہ اللہ اس موقع پر ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تذکرہ کرتے ہوئے قدرے غضبناک بھی ہوئے اور آبدیدہ بھی! جب یہ حضرات چلے گئے تو شاہ جی فرمانے لگے بھائی! ہم نے تو اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ ایک اور موقع پر "پاکستان کی مذہبی سیاست اور اس میں رافضیت کا عنصر" کے موضوع پر گفتگو کا طویل سلسلہ شروع ہوگیا۔ شاہ جی فرمانے لگے پتہ نہیں یہ لوگ کس برتے پر رافضیوں سے اتحاد کرتے ہیں جمعیت علماء کے نزدیک مجلس احرار ان کی دشمن ہے اور رافضیوں کا عارف الحسینی جو ایران کا ایجنٹ تھا وہ ان کا دوست ہے۔ شاہ جی جلال میں آ گئے، فرمانے لگے۔

یاد رکھو! سانپ کے منہ میں اور بچھو کی دم میں زہر کا نہ ہونا مانا جاسکتا ہے حالانکہ ڈنگ مارنا ان موذیوں کی فطرت ہے مگر، یہ کہا جائے کہ رافضی میں وفا ہے قطعاً غلط ہے۔

قائد احرار سید ابوذر بخاری رحمہ اللہ کی صحت کچھ عرصہ سے متاثر رہنے لگی تھی۔ پہلے دو مرتبہ تانگہ اور کار کے ایکسیڈنٹ کی وجہ سے صاحب فراش رہے۔ والدہ ماجدہ کی وفات نے صحت کو اور زیادہ متاثر کیا۔ پھر فالج کا حملہ ہوگیا۔ یوں یکے بعد دیگرے بیماریوں کے حملوں سے مسلسل بیمار رہنے لگے..... چلنا پھرنا بھی محض لاٹھی کے سہارے ہوتا اور وہ بھی اندر سے بیٹھک تک۔ ملاقات کے اوقات بھی اب کم ہوتے جا رہے تھے۔ راقم کا چونکہ مسلسل آنا جانا تھا اس لئے بعض کاموں کی فائلیں مرتب کرنے میں وقت لگا - اس سے جو فارغ وقت بچتا تو مختلف احباب و متوسلین کے آنے والے خطوط کے جوابات لکھواتے - تحریر میں حضرت شاہ جی رحمہ اللہ کا خاص انداز تھا۔ پہلی مرتبہ جب شاہ جی نے مجھ سے ایک خط کا جواب تحریر کرایا تو دیکھ کر کچھ ہدایات دیں مثلاً میں نے ایک جگہ "کے مطابق" کو اکٹھا "کیمطابق" لکھا تو فرمانے لگے مجھے سمجھ نہیں آتی یہ "کیمطابق" کون سی یونانی دوا کا نام ہے؟ ہم انگریزی تہذیب میں اس قدر غرق ہو چکے ہیں کہ اپنی زبان کی تحریر و تقریر اور کتابت بھی بھولتے جا رہے ہیں - جس طرح انگلش لکھنے کے کچھ اصول ہیں اسی طرح اردو لکھنے کے بھی کچھ ضوابط ہیں - پھر شاہ جی نے "ۃ" اور "ت" میں فرق بتلایا اور ان کا موقع کتابت بھی مثلاً شاہ جی

"ختم نبوت" کو یوں نہیں لکھتے تھے بلکہ "ختم نبوہ" لکھتے، تیار کو "طیار" "اخوت" کو "اخوہ" تحریر فرماتے۔ راقم نے بھی یہ باتیں پلے باندھ لیں اور آئندہ اسی انداز کی تحریر شروع کر دی۔ شاہ جی کو بار بار بتلانا نہیں پڑا ۔ اس پر بہت خوش ہوئے اور دعاؤں سے بھی نوازا۔

حضرت شاہ جی کو اللہ پاک نے خوش کلامی اور بذلہ سنجی سے وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ شاہ جی کے دیرینہ خادم محترم مستری محمد عبداللہ صاحب آپ کی مجلس کے حاضر باش رکن تھے۔ وہ آتے تو بیٹھک میں داخل ہوتے ہی چٹکی لیتے، ادھر شاہ جی رحمہ اللہ مستری صاحب کو سامنے پا کر لطائف وظرائف کا انبار لگا دیتے۔ سننے والا ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو جاتا۔

ایک مرتبہ تین چار روز شدید بخار میں مبتلا رہے۔ احباب میں تشویش ہوئی، کوئی صاحب بیمار پرسی کیلئے حاضر ہوئے اور مزاج معلوم کیئے..... شاہ جی مسکرائے فرمانے لگے گاؤں کی مساجد میں اکثر بوڑھے لوگ ہی نماز پڑھا کرتے ہیں ۔ نماز فجر کے بعد مسجد میں بیٹھ کر ایک دوسرے کے احوال بھی پوچھتے ہیں ۔ اسی طرح ایک بوڑھے نے دوسرے بوڑھے سے پوچھا سنا بھئی ا کیا حال ہے؟ تو دوسرا بوڑھا ایک آہ بھر کر کہنے لگا کیا بتاؤں مدینہ شریف سے "شیخ احمد" کا خط آیا ہے (یہ ایک فرضی وصیت نامہ ہے جو تقریباً گزشتہ پچاس ،ساٹھ برس سے شائع ہو رہا ہے) کہ تمام مسلمان اللہ کی طرف متوجہ ہو جائیں اب وقت کم رہ گیا ہے قیامت آنے والی ہے۔ نیک اعمال کر لو۔ نیکیاں کما لو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ قیامت آ جائے اور ہاتھ ملتے رہ جاؤ۔ ان بوڑھوں میں ایک میراثی بھی گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھا تھا۔ کھنکار کر بولا...... بچپن گزر گیا، جوانی آئی وہ بھی گزر گئی، اب بڑھاپے نے آلیا ہے یہی کچھ سنتے چلے آ رہے ہیں ۔ یہ شیخ احمد کون ہے جو پچاس سال سے ایک خط لکھ کر بھیج رہا ہے کیا مدینے شریف سے کبھی کوئی خیر کی خبر بھی آئے گی؟ تو میرے بھائی اب ہمارے ہاں بھی یہی حال ہے۔ بیماریوں نے پورے جسم پر حملہ کر رکھا ہے۔ خیر کی خبر کہاں ۔ اب آپ لوگوں کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔ کہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب ہو جائے (آمین)

حضرت شاہ جی عمر کے آخری سال بہت زیادہ تکالیف کا شکار رہے۔ آہستہ آہستہ بستر سے اٹھنا بھی موقوف ہوتا گیا.... کوٹلہ تولے خان کا وہ مکان جہاں سے حضرت امیر شریعت رحمہ اللہ سفر آخرت پر روانہ ہوئے اب نو تعمیر شدہ ہے۔ یہ بھی حضرت کی بیماری کے آخری ایام میں تعمیر ہوا۔ صورت اس کی یہ تھی کہ ایک کمرہ گرا لیا جاتا اس کی جگہ نئی دیواریں کھڑی کی جاتیں پھر دوسرا کمرہ پھر تیسرا ۔ اس کے بعد ان پر لینٹر ڈال لیا جاتا۔ مستری محمد عبداللہ صاحب اس تعمیر کے نگران تھے۔ ان دنوں حاضر ہوتا تو شاہ جی اندر ہی بلا بھیجتے بسا اوقات توجہ دلا کر فرماتے اس جگہ اماں جی بیٹھ کے روٹیاں پکایا کرتیں۔ اس جگہ اباجی اکثر تشریف فرما ہوتے، بعض مرتبہ فرماتے کہ ہم نے یہاں اکٹھے بیٹھ کے بارہا ناشتہ کیا..... یہ ذکر کرتے جاتے اور ان قدیم آثار کی تخریب پر آبدیدہ ہو جاتے ۔ اسی تعمیر کے عرصہ میں حضرت خواجہ خان محمد دامت برکاتہم ملاقات کیلئے تشریف لائے دوپہر کا وقت تھا۔ شاہ جی اندر کمرہ میں بستر پر لیٹے ہوئے تھے۔ جونہی خواجہ صاحب کمرہ میں داخل ہوئے شاہ جی باوجود شدید بیماری کے بستر سے نیچے اتر آئے اور سہارا لیکر استقبال کیلئے کھڑے ہو

گئے......وہ منظر بھولنے کا نہیں دو عظیم انسان گلے مل کر ماضی کو یاد کر کے رو رہے تھے۔ آنسو تھے کہ تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ شاہ جی بھی جان گئے تھے وظن آنہُ الفراق کہ اب عنقریب کوچ ہونے والا ہے۔ ہم نشینوں کی وہ محفلیں اب نصیب میں نہ ہوں گی۔

شاہ جی رحمہ اللہ نے ساری عمر جس عزیمت و استقامت سے گزاری وہ انہی کا حصہ تھا۔ تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء یا تحریک تحفظ ختم نبوت ۱۹۷۴ء، دہریت، لادینیت، کافرانہ نظام ہائے زندگی ہوں یا اباحیت پسندی کے خلاف محاذ، تحریک مدح صحابہ و تحریک مدح معاویہ ہو یا تحریک تجدید اسماء الصحابہ، خارجیت و رافضیت کے خلاف محاذ ہو یا قادیانیت کا استیصال...... غرض ہر تحریک، میں قائدانہ کردار ادا کیا، بہت سے قومی و دینی معاملات میں تو انہیں اوّلیت کا شرف حاصل ہے۔

- اس دھرتی پر سب سے پہلے "یوم معاویہ" سید ابو معاویہ ابوذر بخاری نے منایا
- اپنے بیٹے کا نام "معاویہ" رکھا۔
- سب سے پہلے سید ابوذر بخاری رحمہ اللہ نے تحریک تجدید سماء صحابہ برپا کی جس کا نتیجہ ہے کہ آج پاکستان میں معاویہ، مغیرہ، مروان، وردان، صفوان، اسامہ، ابوبکر، عمر، عثمان، ابان، حذیفہ، خباب خبیب، بریرہ، لبابہ، ماریہ، خولہ، عائشہ اور دیگر صحابہ و صحابیات رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اسماء گرامی پر ہزاروں بچوں بچیوں کے نام ہیں۔
- پاکستان میں پہلی مرتبہ سوشلزم اور جمہوریت کے خلاف پوری شدت کے ساتھ خطبات و بیانات میں گفتگو کی۔ اشتراکیت، ماؤازم، لینن ازم، کے تار و پود کو اس وقت بر سر عام بکھیرا جب ہمارے بہت سے "علماء حق" اشتراکیت اور کمیونزم کو اسلام کے قریب تر اور امام شاہ ولی اللہ اور امام مولانا عبیداللہ سندھی رحمتہ اللہ علیہم کے افکار کا ماحصل بتا رہے تھے۔
- شاہ جی رحمہ اللہ نے سب سے پہلے نام نہاد ترقی پسند شاعروں، ادیبوں، مصنفوں، محققوں کی ہزلیات و خرافات اور جو آئے روز اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اگلتے رہتے تھے، کا جواب انہی کی زبان میں دینے کے لئے صالح اور نیک طینت شاعروں ادیبوں کی ایک مجلس علم و ادب "نادیۃ الادب الاسلامی" قائم کی اور باقاعدہ ایک سہ ماہی جریدہ "مستقبل" کے نام سے جاری کیا۔
- غرض دین اسلام کے خلاف کوئی محاذ ہو، ہر مقام پر شاہ جی نے مجاہدانہ اور قائدانہ کردار ادا کیا۔ اپنی تمام تر صلاحیتوں اور توانائیوں کو بے دریغ خرچ کیا۔ دین دشمنوں کے خلاف تحریک و مزاحمت کا وہ باب رقم کیا کہ آج کے دور میں صرف سوچا جا سکتا۔ اس کے مقابل دروس و قرآن حکیم کے ذریعے قرآنی علوم و حکم کے دریا بہا دیئے۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سیرت ازواج و اصحاب رسول علیہم السلام کے بیان و تبیان اور تحفظ عقیدۂ ختم نبوت، تحفظ عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے شب و روز ایک کر دیئے۔
- مختصر طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ شاہ جی رحمہ اللہ نے اس وقت اپنے فرائض انجام دیئے جب دوسرے اس راہ میں قدم نہیں رکھتے تھے، اور اس وقت خم ٹھونک کر سامنے آئے جب دوسرے کونوں کھدروں میں

چھپے ہوئے تھے اور اس وقت اپنی زبان کھولی جب ہر سوان موضوعات پر گفتگو اجنبیت کی علامت تھی۔ تب شاہ جی کی اکیلی آواز تھی، گو بہت دھیمی تھی مگر یہ بازگشت مسلسل سنائی دیتی رہی۔ چنانچہ اس پیہم سعی کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج سینوں کی اکثریت تحفظ مقام و منصب صحابہ کے جذبات سے سرشار ہے۔ آج سیدنا معاویہ سلام اللہ علیہ کا نام گرامی اجنبی نہیں رہا۔ آج اشتراکیت کو اسلام گرداننے والے اپنی موت آپ مر گئے اور جمہوریت مردہ باد کا نعرہ لگانے والے آج لاکھوں کی تعداد میں اس پاکستان میں موجود ہیں۔

شاہ جی رحمہ اللہ کا دائرہ عمل زیادہ تر تحفظ و دفاع مقام صحابہ رہا اس لئے منطقی طور پر فرقہ ضالہ رافضیہ آپ کا کھلا دشمن تھا شاہ جی کے خلاف یہ گروہ کھل کر تو سامنے نہ آسکا البتہ چھپ کروار کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ اور اس میں بہت حد تک کامیاب بھی رہا۔ شاہ جی رحمہ اللہ کی زندگی کے آخری ایام اس بات کے گواہ ہیں۔ بارہا ایسا ہوا کہ ڈاکٹروں نے کہا کہ آپ کو کوئی بیماری نہیں۔ مگر شاہ جی مسلسل اذیت میں مبتلا ہیں۔ اچھی سے اچھی دوا اپنا کوئی اثر نہیں دکھا رہی۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ شاہ جی جادو کے مسموم اثرات کا شکار ہو چکے ہیں..... شاہ جی رحمہ اللہ کی صحت یابی کیلئے مختلف عامل بلائے جاتے ہر عامل اپنا کوئی تعویذ، کوئی عمل، کوئی وظیفہ بتلاتا مگر......

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

والا معاملہ بنتا گیا...... آخری دنوں میں استغراق و محویت کے عالم میں رہنے لگے۔ باوجود بیماریوں کے شدید حملہ کے چہرہ کی رونق برقرار تھی۔ راقم حاضری دیتا.... ایک طرف ہو کر بیٹھ جاتا اور شاہ جی کے پر نور چہرہ کو مسلسل دیکھتا رہتا تب بھی جی سیر نہ ہوتا۔ آہستہ آہستہ یہ احساس قوی ہونے لگا کہ اب یہ نورانی چہرے والا شخص، اصحاب رسول اور ازواج رسول علیہم الرضوان کی سیرت و اسوہ کا مناد، نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا عاشق و فداکار کچھ ہی دنوں کا مہمان ہے..... شاہ جی رحمہ اللہ کو دیکھے دو چار دن گزرتے تو دل ملاقات کیلئے بے قرار ہو جاتا۔ فوراً شاہ جی کی خدمت میں حاضر ہوتا اور دل کی بے قراری دور کرتا۔

انہی آخری ایام کی بات ہے کہ راقم کا جامعہ خیر المدارس میں دورہ حدیث شریف کا سال چل رہا تھا۔ اب شاہ جی کے پاس حاضری ہفتہ بعد ہی ہو پاتی۔ لیاقت پور سے قاری ظہور الرحیم صاحب ملتان تشریف لائے تو انھوں نے برادر مکرم جناب سید محمد ذوالکفل بخاری کو سورت تکویر کا ورد شاہ جی کے پاس بیٹھ کر کرنے کو کہا۔ محترم ذوالکفل بخاری زید مجدہ کی نظر انتخاب راقم پر ٹھہری ...... عصر کے بعد کا وقت طے ہوا چنانچہ روزانہ ایک ماہ سے زائد تک ذوالکفل شاہ جی موٹر سائیکل پر راقم کو عصر کے بعد شاہ جی کے پاس لیکر جاتے اور مغرب کے قریب واپس چھوڑتے۔ ان کے بڑے بھائی سید محمد کفیل بخاری بھی چند روز مجھے لے کر جاتے رہے۔ ایک انسان کے ذمہ تدبیر ہی تو ہے، اور یہ بھی ایک تدبیر تھی کہ شاید شاہ جی صحت یاب ہو جائیں پہلے پہل جانا شروع ہوا تو شاہ جی ناراض ہوتے کہ تم نے یہ کیا سلسلہ شروع کر دیا۔ چند دنوں کے بعد ایسا کہنا چھوڑ دیا۔ بلکہ بعض اوقات میں اور سید ذوالکفل بخاری اندر داخل ہوتے اور شاہ جی کے قریب پہنچتے تو مسکرا کر استقبال کرتے اور فرماتے لو! دیکھو مجھے ٹھیک کرنے آ گئے ہیں۔ راقم اپنے کام میں مشغول ہو جاتا اور

ذوالکفل بخاری لطائف و ظرائف اور علمی و ادبی نکات بیان کر کے شاہ جی کا دل بہلاتے۔ قاری ظہور الرحیم صاحب نے جانے کیا خیال کر کے سورہ تکویر پڑھنے کو بتلائی مگر راقم جب سورہ تکویر کے معانی و مطالب پر غور کرتا اور شاہ جی کی حالت پر نظر کرتا تو اکثر اندر ہی اندر آنسو گرنے لگتے کہ یہ عظیم انسان آفتاب علم تھا مگر آج روشنی ماند پڑ رہی تھی۔ نجم ہدایت تھا مگر گہنا رہا تھا۔ کوہ استقامت تھا مگر آج محتاج محض ہوا جا رہا تھا۔

وقت تیزی سے جانب منزل سفر کر رہا تھا۔ زندگی کی طنابیں کھنچی جا رہی تھیں۔ فاصلے تیزی سے سمٹ رہے تھے۔ ہر گھڑی، ہر لمحہ کھٹکا سا لگا رہتا۔ شاہ جی کا استغراق بڑھتا جا رہا تھا۔ بسا اوقات مسلسل ایک جانب ٹکٹکی باندھ کر دیکھا کرتے تکبیر و تہلیل، اور استغفار اکثر زبان پر رہتے۔ کھانا بہت کم ہوتا گیا اور آہستہ آہستہ زبان بھی بالکل ساتھ چھوڑ گئی۔ بڑی مشکل سے اپنا مدعا بیان کر پاتے...... انہی دنوں کا یہ عجیب واقعہ ہے کہ ملتان میں لاسال ہائی سکول میں کوئز پروگرام منعقد ہوا اس میں ایک سوال تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے آخری صحابی کون ہیں؟ سوال اپنی جگہ بڑی اہمیت کا حامل تھا اور خود سوال کرنے والوں کو اس کا جواب معلوم نہ تھا چنانچہ فکر پیدا ہوئی کہ اس کا جواب کہاں سے معلوم کیا جائے، ادھر اُدھر بعض دینی مدارس سے معلوم کر کیا گیا۔ مگر جواب ندارد بالآخر کسی نے کہا ملتان میں اس کا جواب صرف سید ابو معاویہ بخاری ہی دے سکتے ہیں۔ چنانچہ برادرِ محترم سید محمد کفیل بخاری زید مجدہ راوی ہیں کہ میں یہ سوال معلوم کرنے شاہ جی کی خدمت میں حاضر ہوا تب شاہ جی کی بیماری کا یہ عالم تھا کہ بات بڑی مشکل سے کر پاتے۔ گفتگو میں نہایت دقت ہوتی، سننے والا غور سے کان لگا کر سنتا تو کچھ سمجھ میں آتا...... سید کفیل بخاری صاحب نے سوال کیا...... پہلے تو اشارہ سے کہا مجھے کچھ یاد نہیں۔ بعد میں دوسری باتیں شروع ہو گئیں قریب بیٹھے احباب اپنی باتوں میں مشغول ہو گئے اچانک شاہ جی نے اشارہ سے جناب کفیل بخاری صاحب کو قریب کیا...... زبان میں ہکلاہٹ تھی قوت گویائی پوری طرح ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ رک رک کر جواب ارشاد فرمانے لگے، فرمایا! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے آخری صحابی یمن سے آنے والے دو نوجوان تھے۔ پھر ان کا نام و نسب، قبیلہ، خاندان، سب کچھ بتایا تھوڑی دیر میں شاہ جی سخت اضمحلال اور کمزوری کی وجہ سے خاموش ہو گئے ذرا دیر کے بعد پھر لڑکھڑاتی زبان میں کہا "میرا دل چاہتا ہے کہ میں اس پر تقریر کروں" ساتھ ہی رونے لگے ...... سیرت و تاریخ کے امام اور اسوۂ رسول و اصحاب رسول کے اس پیکر کے دماغ میں اتنی دیر میں باوجود شدید بیماری و نسیان کے ان دو صحابہ کے متعلق اتنا استحضار ہو چکا تھا کہ فرمانے لگے "میرا دل چاہتا ہے کہ میں اس پر تقریر کروں" اللہ اللہ شاہ جی صحابہ کی محبت میں فنائیت کے کس درجہ پر فائز تھے۔ صرف اس ایک واقعہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

انہی دنوں کی بات ہے، راقم اپنے ورد میں مصروف تھا۔ برادر محترم سید ذوالکفل بخاری مجھے شاہ جی کے پاس چھوڑ کر باہر کسی کام کی غرض سے گئے ہوئے تھے۔ آپ کے دیرینہ اور قدیم خادم جناب ابو ہندہ مستری محمد عبداللہ صاحب جو شاہ جی کی مزاج پرسی کیلئے آئے تھے واپس جانے لگے تو اجازت طلب کی اور مصافحہ کیا ابھی چند قدم ہی واپسی کیلئے چلے ہوں گے ...... جانے دل میں کیا سمائی، پھر واپس پلٹے اور اپنا چہرہ

شاہ جی کے قدموں میں رکھ دیا اور زاروقطار رونے لگ گئے مستری عبداللہ صاحب کا شاہ جی سے تعلق تب سے تھا جب سب سے پہلے ملتان میں مجلس احرار اسلام کی طرف سے شاہ جی نے "اجتماع معاویہ" منعقد کیا مستری عبداللہ صاحب کو اس بات کی اوّلیت اور شرف حاصل ہے کہ انہوں نے اس دھرتی پر سب سے پہلی "مسجد معاویہ" کی بنیاد رکھی...... اسی مسجد میں حضرت شاہ جی برس ہا برس خطبہ و خطابِ جمعہ ارشاد فرماتے رہے۔ اس طرح مستری عبداللہ صاحب اور شاہ جی رحمہ اللہ کا برسوں پر محیط محبت کا علاقہ رہا...... میں عرض کر رہا تھا کہ مستری عبداللہ صاحب اپنا چہرہ شاہ جی کے قدموں میں رکھے زار زار رو رہے تھے...... شاہ جی کی اپنی حالت یہ تھی کہ اشاروں کنایوں میں بات کر پاتے۔ برعظیم کے خطیب اعظم کا فرزند، مسلسل آٹھ آٹھ دس دس گھنٹے علم و عمل کی لو جلانے والا اپنے والد گرامی کی طرح بستر علالت پر ساکت و جامد، تصویر حیرت بنے اپنی حیات مستعار کے تیزی سے گزرتے دن گن گن کر گزار رہا تھا...... ان میں اتنی سکت نہیں کہ وہ اٹھ کر مستری عبداللہ صاحب کو اس عمل سے منع کر سکیں بڑی مشکل سے شاہ جی نے اشارہ کر کے جناب ابو ہندہ کو اپنے قریب بلایا اور بڑے پیار اور محبت سے دونوں ہاتھوں کا پیالہ بنا کر مستری صاحب کے چہرے کو چند لمحوں کیلئے تھاما، پھر انہیں اپنے سینے سے لگا لیا۔ اب عالم یہ تھا کہ مستری صاحب مسلسل بچوں کی طرح بلک کر رو رہے ہیں اور دوسری طرف شاہ جی رو رہے ہیں...... جانے اس وقت کیسے کیسے واقعات و حوادث ان کی نظروں سے گزر رہے ہوں گے۔ برسوں کی محبت و رفاقت، انس اور لگن، دفاع صحابہ کے سلسلہ میں مشقت و جانکاہی سب ایک ایک کر کے دونوں کے سامنے گزر رہے تھے۔ ابو ہندہ کہہ رہے تھے...... شاہ جی!...... شاہ جی! مجھ سے بہت سی کوتاہیاں ہو گئی ہوں گی۔ اللہ کیلئے مجھے معاف فرما دیں...... واللہ مجھے تو مسلمان ہی آپ نے کیا، شاہ جی!...... آپ نہ ہوتے تو جانے میں کیا ہوتا؟...... شاہ جی نے انہیں سینے سے لگا کر تسلی دی، حوصلہ بڑھایا اور اشاروں میں ہی بتایا کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے۔ وہ اپنے وقت سے ٹل نہیں سکتی، جب یہ زندگی پوری ہو جائے تو کس کی مجال کہ وہ یہاں ٹھہر سکے؟

۲۳ اکتوبر ۱۹۹۵ء کی شام حلقۂ احرار کیلئے قیامت سے کم نہ تھی۔ وہ لمحات اور ساعات کبھی دماغ سے محو نہ ہوں گے۔ جب آخری تدبیر کے طور پر شاہ جی کو ملتان کے معروف سیال کلینک لیجایا گیا۔ وقت موعود آ چکا تھا۔ سیال کلینک کے ایک کمرہ میں وقت کا عظیم مفکر و مدبر، تحفظ ناموسِ صحابہ کا عظیم سپاہی، امام الاحرار سید ابومعاویہ ابوذر بخاری اپنے رب کے حضور پہنچنے کے لئے بڑی بے تابی کے ساتھ جان، جانِ آفریں کے سپرد کر رہا تھا۔ علالت کے آخری ایک دو ماہ چہرے پر وہ رعنائی نہ رہی تھی۔ مگر تب میں نے دیکھا کہ چہرے کی رونق بڑھتی جا رہی ہے۔ شاہ جی کے چاروں طرف عزیز و اقربا کا جمگھٹا تھا۔ شاہ جی کے بہنوئی سید محمد وکیل شاہ صاحب بخاری، بیٹے سید محمد معاویہ بخاری، دونوں بھانجے سید محمد کفیل بخاری، سید ذوالکفل بخاری اور شاہ جی کے دیگر قریبی جاننے والے چاروں طرف حلقہ باندھے کھڑے تھے اسی دوران شاہ جی کے بھائی محترم سید عطاء المؤمن بخاری بھی پہنچ گئے۔ اور صورت حال سمجھ گئے۔ ہلکی آواز میں سورۂ یٰسین اور کلمۂ طیبہ کا ورد جاری تھا۔ سب کی آنکھیں پر نم تھیں ہر شخص جدائی کے ان لمحات میں شدید کرب میں مبتلا تھا۔ مگر شاہ جی رحمہ اللہ

کے چہرہ پر سکون و اطمینان کی لہر رقم تھی........ انہوں نے آخری تین سانسوں میں تین مرتبہ اللہ اللہ اللہ کہا۔ رات تقریباً دس اور گیارہ بجے کے درمیانی وقت میں اسلام کے اس عظیم فرزند اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے محافظ و سپاہی نے اس فانی دنیا سے آنکھیں موند لیں۔ اور روح پُر فتوحؔ یاایھاالنفس المطمئنۃ ارجعی الیٰ ربک راضیۃ مرضیہ کی نداء حق پر لبیک کہتے ہوئے قفس عنصری سے نکل کر عالم جاوداں کو پہنچ گئی...... اگلے روز سپورٹس گراؤنڈ میں ہزاروں انسانوں کے ایک جم غفیر نے شاہ جی کی نماز جنازہ ادا کی۔ شام عصر کے بعد شاہ جی کو ان کے والد ماجد حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور والدہ ماجدہ کے درمیان کے پہلو میں سپرد خاک کیا گیا.......

اس سے قبل ایسے ہی ایک موقع پر جلال باقری قبرستان میں آنا ہوا تھا جب حضرت سید ابو معاویہ ابوذر بخاری رحمہ اللہ کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہوا تھا۔ انہیں بھی اسی چار دیواری میں تہہ خاک رکھا گیا تھا۔ وہ بھی رابعہ وقت تھیں۔ احرار کا ہر رضا کار انہیں اماں جی کہہ کے یاد کرتا...... تب اماں جی کے احترام میں ہر سوگوار شخص خاموشی سے تدفین کے عمل میں شریک تھا۔ آہ و بکا کا شور نہ تھا........ حضرت سید ابو معاویہ ابوذر بخاری رحمہ اللہ کی تدفین کے دوران ان کے چاہنے والوں کی سسکیوں کا وہ منظر دیکھنے میں آیا کہ بھولنے کا نہیں۔ ہر شخص کی کوشش تھی کہ وہ ایک نظر شاہ جی کو دیکھ لے۔ اس صورت حال سے تدفین کے عمل میں رکاوٹ ہونے لگی۔ بالآخر محترم سید محمد کفیل بخاری نے بڑی مشکل سے ان کو خاموش کرایا اور تدفین عمل میں آئی۔ ہر متنفس شاہ جی رحمہ اللہ کی قربانیوں کو یاد کر کے بلندیٔ درجات کی دعا کر رہا تھا۔ ان لمحات میں اپنے آپ کو قابو میں رکھنا کسی کے بس میں نہیں ہوتا۔ ہر آنکھ اشکبار تھی اور لوگ آنسوؤں کی جھڑیاں لئے دیوانوں کی طرح مرقد پر مٹی ڈال رہے تھے اور دعا کر رہے تھے...... اللھم اغفرلہ ورحمہ عافہ واعف عنہ واکرم نزلہ ووسع مدخلہ واغسلہ بالماء والثلج وابرد ونقہ من الخطایا کمانقیت الثوب الا بیض من الدنس

شیزان کی تمام مصنوعات کا بائیکاٹ کیجئے!

یاد رکھیئے! ہم مسلمان ہیں اور مرزائی کافر مرتد!

ہم اگر ان کی مصنوعات استعمال کریں گے تو وہ ہمارے سرمائے سے ہمارے خلاف اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لئے آسانیاں پائیں گے،

فیصلہ آپ نے کرنا ہے۔ بائیکاٹ یا-------؟